موجودہ عالمی حالات
کے پس منظر میں
اسلام کا مستقبل

ڈاکٹر اسرار احمد
بانی تنظیمِ اسلامی

مکتبہ خدام القرآن لاہور

آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے!
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

☆

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا!
تقدیرِ اُمم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مؤمن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا!

☆

خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیٔ دُور و دراز آید بروں

☆ ———————— ☆

موجودہ عالمی حالات

کے پس منظر میں

اسلام کا مستقبل

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ خدام القرآن

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-5869501

نام کتابچہ ـــــــ موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل
طبع اوّل (اگست 2004ء) ـــــــــــــــــــــ 3300
ناشر ـــــــ ناظم نشر و اشاعت' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
مقامِ اشاعت ـــــــــــ 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 03-5869501
مطبع ـــــــــــــ شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور
قیمت ـــــــــــــــ 10روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

یہ کتابچہ پڑھنے سے پہلے اس کا جڑواں کتابچہ پڑھ لینا چاہئے‘ جس کا عنوان بے شک ذرا لمبا ہے‘ لیکن ہے اس قدر واضح کہ خواہ مخواہ مطالب کے اندر داخل ہونے کو جی چاہتا ہے: ’’پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر‘‘۔
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر پاکستان کے وجود کو خطرات و خدشات کیوں لاحق ہوئے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ ہمارا اندرونی مجموعی نظام بھی اس کا ذمہ دار ہے‘ لیکن بہت سے اسباب و وجوہ عالمی طاقتوں کی آویزش‘ اور سوویت یونین کی تحلیل کے بعد تو واحد سپر پاور امریکہ کی عالمی اقتدار کی ہوس کی پیداوار ہے۔

نائن الیون کے عبرت خیز واقعے کے زیر اثر امریکہ نے اپنے گریبان میں جھانکنے کی بجائے‘ انتقاماً پوری دنیا پر جہاں گیریت (Globalisation) کی تلوار لٹکا دی ہے۔
[امریکہ کی ہوس ملک گیری و زرگری کو عالمگیریت (Universalism) کہنا غلط ہے‘ جو درحقیقت فلسفے اور ادبِ عالیہ کی مثبت اقدار کا مفہوم رکھنے والی اصطلاح ہے۔]
جہاں گیری کی موجودہ عالمی زر پرستانہ‘ مادّی‘ دنیاوی تحریک کی جڑیں بہت گہری اور شاخیں بہت طویل اور دراز ہیں۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ملک‘ اور کوئی بندہ بشر اُس کی مسموم اثر انگیزی سے بچا ہوا ہو۔

ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب نے اس جہاں گیریت اور موجودہ عالمی حالات کا (اس کتابچے میں) انتہائی باریک بینی اور دردمندی سے‘ انتہائی اختصار کے ساتھ‘ انتہائی خیال افروز تجزیہ کیا ہے۔ مبالغہ آمیز لفظ ’’انتہائی‘‘ کے استعمال کی وجۂ جواز یہ کتابچہ پوری توجہ سے پڑھنے میں مضمر ہے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب ہمارے ملک میں روزمرہ کی بول چال میں‘ صرف شناخت اور کہنے کے ڈاکٹر نہیں‘ بلکہ واقعی مرض کی صحیح

صحیح تشخیص کرنے والے حکیم بھی ہیں، اس لئے اس کم بخت عالمی بیماری ''جہاں گیریت'' کے نادیدہ جراثیم کے خرد بینی مطالعے کے لئے انہوں نے ماہر تشریحیات (Anatomist) کی سی باریک بینی کے ساتھ مرض کی تمام علامات اور جوارح کی نشان دہی کی ہے۔ انہوں نے ہمیں خلاصۃً بتا دیا ہے کہ جہاں گیریت کی تین اہم سطحیں ہیں:

پہلی سطح: امریکہ، سول سپریم پاور آف ارتھ

دوسری سطح: اللہ کی بغاوت پر مبنی عالمی نظام

تیسری سطح: مذہبی تصادم

بین الاقوامی بیماری کی تشخیص کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس کا علاج بھی تجویز کیا ہے۔ بالکل سادہ اور واحد علاج، یہ کہ اسلام کے عدلِ اجتماعی کا نظام قائم ہونے ہی سے انسانیت سکھ کا سانس لے سکتی ہے اور شفایاب ہو کر امن و اطمینان سے رہ سکتی ہے۔ اسلامی نظام کے قیام کے جذبے کی تاریخ بھی چند پیراگرافوں میں بیان کر دی ہے، جو ہمارے ملک کے دانشوروں اور مؤرخین کو ایک بڑی تحقیقی تالیف کی دعوت دے رہی ہے۔

دونوں جڑواں کتابچوں یعنی عالمی حالات کے تجزیئے، اور اس کی پس منظری روشنی میں پاکستان کے حالات کا تجزیہ، دونوں کا مطالعہ ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

سید قاسم محمود

یکم ستمبر 2004ء

ترتیب

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الروم:۴۱)

موجودہ عالمی حالات کی تین اہم سطحیں

موضوع کے حوالے سے ہمیں سب سے پہلے یہ معین کرنا ہے کہ موجودہ عالمی حالات کیا ہیں! کوئی بھی شخص جب عالمی حالات کے بارے میں سوچتا ہے' کچھ غور کرتا ہے اور مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں کچھ نہ کچھ نقشہ ضرور بنتا ہے کہ آج کل عالمی سطح پر کیا حالات ہیں۔ اس حوالے سے جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اسے میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میرے نزدیک اس کی تین سطحیں ہیں۔

پہلی سطح: امریکہ سول سپریم پاور آف ارتھ

پہلی سطح جو سب سے نمایاں ہے اور اکثر لوگوں کے علم میں بھی ہے' اس کے بارے میں کسی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم موضوع کے اعتبار سے اس کا تذکرہ ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ موجودہ دنیا یک قطبی عالَم (Unipolar World) بن چکی ہے اور یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کو اس وقت روئے ارضی کی واحد سپریم طاقت (Sole Supreme Power on Earth) کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ اس کی حربی طاقت کا کوئی اندازہ ممکن نہیں ہے' اس لئے کہ وہ ہر موقع پر ایک نیا ہتھیار نکال کر لاتا ہے۔ اس کے ہاں ریسرچ مسلسل جاری ہے۔ افغانستان میں جب روسیوں کے خلاف جہاد ہو رہا تھا تو دنیا نے **سٹنگر** میزائل پہلی مرتبہ دیکھا اور اس کا مشاہدہ کیا' اس سے پہلے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ دنیا میں ایسا میزائل بھی ہے جو سیدھے رخ پر جانے کے بجائے اپنے ہدف کا پیچھا کرتا ہے۔ پھر جب پہلی خلیجی جنگ ہوئی تو

پیٹریاٹ (Patriot) میزائل آ گیا۔اس سے پہلے اس کا کوئی تصور نہیں تھا کہ کسی حملہ آور میزائل کو فضا میں ہی تہس نہس کرنے والا میزائل ایجاد ہو چکا ہے۔عراق کا سکڈ میزائل ہو یا کوئی اور میزائل جو ایٹمی ہتھیار لے کر آ رہا ہو' اسے یہ پیٹریاٹ میزائل فضا ہی میں تہس نہس کر سکتا ہے۔ پھر افغان امریکہ جنگ کے اندر بہت سی نئی نئی چیزیں سامنے آئیں۔اب لیزر گائیڈڈ بم وجود میں آ گئے ہیں جو تیس پینتیس ہزار فٹ کی بلندی سے بھی ٹھیک نشانے پر جا کر لگتے ہیں۔اس سے پہلے تو بمباری کے لئے بمبار جہاز کو نیچے آنا پڑتا تھا' اور ظاہر بات ہے جب جہاز نیچے آتا تھا تو اس کا امکان بہرحال موجود تھا کہ وہ اینٹی ایئر کرافٹ گن کا نشانہ بن جائے' جبکہ اب اس کا سوال ہی نہیں ہے۔اب تو یہ تقریباً پینتیس ہزار فٹ کی بلندی سے لیزر گائیڈڈ بم پھینک دیتا ہے اور وہ لیزر شعاعوں کی رہنمائی میں سیدھے نشانے پر جا کر لگتے ہیں۔ بہرحال یہ تو صرف چند مثالیں ہیں' ورنہ اس کی حربی قوت کا کوئی اندازہ ممکن نہیں ہے۔

پھر اس میں تکبر اس درجے بڑھ چکا ہے کہ عدل وانصاف کے مسلمہ اصولوں کی اسے نہ کوئی فکر ہے نہ لحاظ۔اسے اب اپنے بہترین اتحادیوں کی رائے کا بھی کوئی لحاظ نہیں۔عراق کی جنگ کے خلاف امریکہ اور یورپ کے اندر وسیع ترین سطح پر مظاہرے ہوئے لیکن اس نے انہیں پر کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی۔ یو این او ساتھ چلنے کے لئے تیار نہیں ہوئی تو اس کو بھی دھکا دیا کہ بیٹھے رہو' ہم سب کچھ تنہا کرنے پر قادر ہیں۔ اس نے نئے نئے اصول بنائے ہیں۔مثلاً pre-emptive strike کا اصول بنایا ہے کہ اگر ہمیں کسی ملک کی طرف سے ذرا سا بھی اندیشہ ہو گیا کہ وہ ہمارے لئے مستقبل میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو ہمیں حق حاصل ہے کہ اس پر حملہ کریں' ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی ملک کی طرف سے کوئی اقدام ہو اور پھر ہم حملہ کریں۔ امریکہ اپنی حربی قوت کے اعتبار سے ایک مست ہاتھی کے مانند ہے جس کا مقابلہ کرنے کی حیثیت کسی میں نہیں ہے' نہ یورپ میں' نہ جاپان میں۔ عالم اسلام کا تو ذکر ہی کیا ہے! اگرچہ اس کے ردّعمل کے طور پر دنیا کی دوسرے درجہ کی قوتیں علاقائی بنیادوں پر

اتحاد قائم کر رہی ہیں کہ امریکہ کی قطعی بالادستی کو بیلنس کیا جا سکے ——— تاہم یہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں!

دوسری سطح: اللہ کی بغاوت پر مبنی عالمی نظام

دوسری حقیقت جو رفتہ رفتہ کئی صدیوں میں پروان چڑھ کر سامنے آئی ہے وہ ایک ''اجتماعی نظام'' ہے جس نے اس وقت پورے کرۂ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس اجتماعی نظام کی تین سطحیں ہیں۔ اسے یوں سمجھئے کہ جیسے کسی شخص کو جب ملیریا بخار چڑھتا ہے تو اسے سردی اتنی لگتی ہے کہ وہ ایک لحاف کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا لحاف اپنے اوپر اوڑھ لیتا ہے۔ تو اس وقت درحقیقت تین لحاف ہیں جو دنیا نے اوڑھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے جو زمین کے نزدیک ترین ہے' یا یوں کہئے کہ جو پہلا لحاف ہے وہ ہے ''معاشرتی نظام'' اور سب سے اوپر ہے ''سیاسی نظام''۔

(i) سیاسی نظام

اب ان تینوں نظاموں کا جائزہ لیجئے۔ سب سے پہلے ''سیاسی نظام'' کو لیتے ہیں! پچھلی دو تین صدیوں کے اندر جو نظام پروان چڑھا' جو یورپ سے شروع ہوا اور پوری دنیا میں پھیل گیا اور آج پوری دنیا کے اندر اس کی حیثیت اصول موضوعہ اور accepted fact کی ہے وہ ہے ''سیکولرازم''۔ اور سیکولرازم کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اجتماعی معاملات میں کسی مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں' مذہب صرف انفرادی معاملے کا نام ہے اور اس میں ہر انسان آزاد ہے۔ لیکن مذہب صرف تین چیزوں پر مشتمل ہے' کوئی چوتھی چیز اس میں شامل نہیں ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: (i) عقائد (Dogmas): سیکولرازم کی رو سے چاہے کوئی ایک خدا کو مانے' سو کو مانے یا کسی کو بھی نہ مانے' اسے آزادی حاصل ہے۔ (ii) عبادات کے معاملے میں بھی ہر شخص آزاد ہے' چاہے وہ ایک غیر مرئی (unseen) خدا کی عبادت کرے' یا پتھر کے بتوں کی پرستش کرے۔ وہ پیپل کے درخت کی پرستش کرے' سانپ کی پرستش کرے' سورج'

چاند اور ستاروں کی پوجا کرے' یا انسان کے اعضائے تناسل کی پوجا کرے' اسے کھلی آزادی ہے۔ اور جو بھی modes of worship اختیار کرنا چاہے اس کی اسے آزادی ہے۔ (iii) مذہب کا تیسرا حصہ سماجی رسومات (Social Customs) ہوتی ہیں۔ سیکولرازم میں اس کی بھی آزادی ہے کہ یہ رسومات اپنے مذہب کے مطابق ادا کرو۔ نکاح کے لئے چاہے ایجاب وقبول کی صورت اختیار کرو چاہے مندر میں جا کر پھیرے لگاؤ۔ اپنے مُردے کو چاہے دفن کرو اور چاہے نذرِ آتش کر دو ـــــ

البتہ سیاسی نظام میں' قانون سازی کے عمل میں کسی مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہو گا۔ گویا انسان کی اجتماعی زندگی سے اللہ کو نکال دیا گیا ہے کہ تم مسجد' مندر' سینیگاگ' چرچ' جہاں چاہو رہو' لیکن ہماری پارلیمنٹ اور ہمارے کاروباری اداروں سے تمہارا کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے سماجی نظام سے بھی تمہارا کوئی سروکار نہیں۔ یہ ہم خود بنائیں گے' ہمیں اِس کا اختیار حاصل ہے' ہم خود حاکم ہیں' ہم عوامی حاکمیت کے اصول پر قانون سازی کریں گے' ہم انتخابات کرائیں گے' ان کے نتیجے میں جو بھی پارلیمنٹ' کانگریس وغیرہ ہو گی وہ اکثریت کے ساتھ قانون بنائے گی۔ وہ چاہے شراب پینے کی اجازت دے' چاہے اس پر پابندی لگا دے' اس کا اختیار ہے۔ لیکن یہ پابندی اس وجہ سے نہیں ہو گی کہ کسی مذہب میں اس پر پابندی ہے۔ وہ ہم جنسوں کی شادیوں کی اجازت دے تو اسے اختیار ہے' مَرد کی مَرد سے شادی اور عورت کی عورت سے شادی کے لئے وہ قانون بنا سکتے ہیں۔

گویا کہ پورے سیاسی' اجتماعی نظام سے اللہ کو بے دخل کر دیا گیا ہے کہ اس معاملے میں کسی آسمانی ہدایت کا کوئی سروکار نہیں' کسی خدائی قانون کا کوئی اعتبار نہیں' بس اس کی تلاوت کر لی جائے' اپنی اپنی مقدس کتابیں پڑھ لی جائیں' سکھ گروگرنتھ پڑھ لیں' مسلمان قرآن پڑھتے رہیں' ہندو وید' رامائین اور بھگوت گیتا پڑھتے رہیں۔ وہ بس اپنے مندروں کے اندر محدود رہیں۔ مسلمان اپنی مساجد کے اندر ماہِ رمضان میں تراویح کے دوران پورا قرآن پڑھ لیں' کوئی اعتراض نہیں' اس کا ان کو اختیار ہے'

لیکن قرآن کی شریعت واجب النفاذ نہیں ہوگی۔ تو یہ نظام ہے جو آج پوری دنیا کو پورے طور سے اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔

(ii) معاشی نظام

اس سے نیچے آیئے تو دوسرا لحاف موجود ہے اور وہ ہے معاشی نظام۔ اس وقت پوری دنیا میں معاشی نظام interest based capitalism یعنی سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد پر قائم ہے جس میں اصل طاقت' اصل حق سرمائے کو حاصل ہے' لیبر کو نہیں۔ اور سرمایہ از خود بھی بغیر کسی محنت کے کمائی کر سکتا ہے۔ جیسے آپ بینک میں روپیہ رکھ دیں اور سود لیتے رہیں' اس میں آپ کی محنت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ آپ خواہ ڈاکہ ڈال کر' غبن کر کے یا کسی اور طریقے سے ایک دفعہ بینک میں قدرے بھاری سی رقم رکھ دیں تو آپ کو ہر مہینے سود ملتا رہے گا اور آپ کھاتے رہیں' آپ کو محنت کی ضرورت نہیں' کسی بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں۔ پھر اس کی ایک اور چھوٹی بہن آئی اور وہ ہے جوا (speculation)' جبکہ ایک تیسری بہن آئی انشورنس کے نام سے۔ انشورنس بھی اصل میں سرمایہ داری نظام کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ بالفرض آپ نے کارخانہ لگایا ہے' چاہے ماچس فیکٹری ہی کیوں نہ لگائی ہو' آپ کا اس میں دس کروڑ روپیہ لگ گیا ہے۔ اب اس ماچس فیکٹری کو زمینی و آسمانی آفات سے نقصان پہنچ سکتا ہے' مثلاً آگ لگ سکتی ہے یا سیلاب بہا کر لے جا سکتا ہے' تو اس صورت میں سرمایہ دار کا نقصان بھی ماچس کا صارف (consumer) ہی ادا کرے گا۔ یعنی مالکان اس فیکٹری کا بیمہ کرائیں گے اور انشورنس کے لئے انہیں ہر مہینے یا ہر سال جو رقم ادا کرنی پڑے گی وہ اسے اپنی ماچس کی لاگت میں ڈال دیں گے۔ لہٰذا صارف اس ماچس کی لاگت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ کارخانے میں لگے ہوئے سرمائے کے مستقبل کی حفاظت بھی کر رہا ہے۔ تو یہ تین چیزیں مل کر ایک معاشی نظام بناتی ہیں۔

اس معاشی نظام کے خلاف کمیونزم کی شکل میں ایک بغاوت ہوئی تھی۔ کمیونزم میں سود ختم ہو گیا تھا' کیونکہ اس میں انفرادی ملکیت کا تصور ہی نہیں تھا۔ کمیونزم میں ہر

چیز قوم کی ملکیت تھی۔ آپ کام کریں اور اجرت لیں' آپ کا کھانے کا بندوبست حکومت کے ذمہ ہے۔ لیکن اس سے آگے آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ آپ کوئی جماعت بنائیں' کوئی ایجی ٹیشن کریں' اپنی اجرت بڑھانے کے لئے کوئی جدوجہد کریں' کچھ بھی نہیں۔ اس نظام میں چونکہ غیر فطری انتہا پسندی تھی اس لئے یہ زیادہ دیر تک چل نہیں سکا۔ اب اس کی موت واقع ہو چکی ہے۔ صرف یہی ایک نظام تھا جو سرمایہ دارانہ نظام کو چیلنج کر رہا تھا۔ پچھلی صدی کے وسط میں یہ سیلاب کی طرح بڑھ رہا تھا اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام اپنے گھر کے اندر کانپ رہا تھا۔ یہ بڑھتا چلا جا رہا تھا اور آدھے سے زیادہ یورپ اس کے قبضے میں آ گیا تھا۔ یہاں تک کہ یہ سینٹرل امریکہ میں پہنچ گیا تھا۔ کیوبا میں آج تک موجود ہے۔ پھر سوویت یونین کے علاوہ چین میں پہنچ گیا تھا' ہندوستان میں پہنچ گیا تھا' بنگال اور کیرالہ میں اس کی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ سوویت یونین خلا کی تسخیر (conquest of the space) میں امریکہ سے بہت آگے نکل گیا تھا۔ لہٰذا امریکہ کانپ رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں امریکہ نے کروڑوں کی تعداد میں مذہبی کتابیں شائع کیں۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ خدا کے لئے قرآن پڑھو' دیکھو یہ کمیونزم تمہاری کتاب کے خلاف ہے۔ انہوں نے "The Glorious Quran" کے نام سے قرآن مجید کا جو ترجمہ بہت پہلے محمد مارمیڈوک پکتھال نے کیا تھا' اس کے لاکھوں نسخے شائع کر کے مفت تقسیم کئے۔ ہندوؤں کو ترغیب دی گئی کہ بھگوت گیتا پڑھو' اپنشد پڑھو۔ مجھے اسی وقت اپنشد اور گیتا وغیرہ کے انگریزی ترجمے ملے تھے جن کا میں نے مطالعہ کیا تھا۔ ان کا اس سے یہی مقصود تھا کہ یہ مذاہب کمیونزم کے راستے میں رکاوٹ بنیں۔ پھر اس کے لئے NATO' SEATO اور CENTO جیسے ادارے بنا دیئے گئے تھے' تا کہ کمیونزم کا سیلاب کسی طریقے سے رک جائے' کیونکہ یہ ان کی معیشت کے لئے تباہ کن تھا۔

امریکہ اور روس کی جنگ کوئی مذہبی جنگ نہیں تھی' اس کا مذہب سے سروکار ہی نہیں تھا۔ سوویت یونین کے راہنما بھی عیسائی تھے اور مغربی یورپ اور امریکہ کے لوگ

بھی عیسائی تھے۔ مذہبی اختلاف تو کوئی تھا ہی نہیں۔ بس اتنا ہی اختلاف تھا جتنا مسلمانوں کے مختلف مسلکوں میں ہوتا ہے کہ کچھ کیتھولک ہیں‘ کچھ پروٹسٹنٹس ہیں‘ کچھ Eastern Orthodox ہیں‘ کچھ Russian Orthodox ہیں اور کچھ Greek Orthodox ہیں۔ لیکن تھے تو وہ سب کرسچین ہی‘ سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے‘ سب کے سب بائبل پڑھتے تھے۔ تو مذہب کی کوئی جنگ نہیں تھی۔ پوری نصف صدی تک جو سرد جنگ چلی ہے وہ ان دو معاشی نظاموں کے مابین تھی اور بالآخر چیلنج کرنے والا نظام بیٹھ گیا اور ختم ہو گیا۔ اس کے بٹھانے میں مسلمان کا خون استعمال ہوا۔ افغانستان میں جہاد کے نام پر صرف افغانوں نے نہیں بلکہ دور دراز کے ممالک سے آنے والے جانبازوں نے اپنا خون دیا‘ جانیں دیں‘ جبکہ امریکہ نے صرف پیسہ خرچ کیا‘ سٹنگر میزائل دیئے‘ بڑی بڑی گاڑیاں دیں‘ ارب ہا ارب ڈالر دیئے۔ اور چونکہ وہ سب پاکستان کے ذریعے سے جا رہا تھا تو ہمارے جرنیلوں کے بھی وارے نیارے ہو گئے۔ ڈالروں سے بھرے ہوئے سوٹ کیسز وہ اپنے گھر بھی لے جاتے تھے۔ آج ان کے بیٹوں کی جوانڈسٹریز ہیں‘ وہ کہاں سے آ گئیں؟ یہ جرنیل تو کبھی سائیکل پر چلا کرتے تھے‘ ان کے پاس کار نہیں ہوتی تھی۔ بہر حال سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام جو پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے‘ یہ دوسرا لحاف ہے۔ پوری دنیا میں سود کی بنیاد پر بینکنگ سسٹم رائج ہے۔

(iii) معاشرتی نظام

اب نیچے آیئے! تیسرا لحاف ہے سماجی نظام‘ یہ ابھی پوری طرح نوعِ انسانی پر حاوی نہیں ہوا‘ البتہ مغرب میں حاوی ہو چکا ہے۔ اس کا اصول ہے آزاد جنس پرستی‘ مَرد اور عورت کی مکمل مساوات‘ یعنی آپ جس طرح چاہیں اپنی جنسی خواہش کو پورا کریں‘ بس دونوں طرف سے رضامندی ہونی چاہئے‘ جبر نہیں ہونا چاہئے۔ زنا بالجبر قانون کی خلاف ورزی شمار ہوتا ہے‘ لیکن زنا بالرضا سرے سے کوئی جرم نہیں۔ اس کے نتیجے میں فیملی سسٹم برباد ہو گیا‘ اولاد کو بھی والدین بلوغت کی قانونی عمر کے بعد گھر سے

نکال دیتے ہیں' چاہے لڑکا ہو یا لڑکی' کہ خود جا کر کماؤ اور کھاؤ' ہم پر اگر کچھ ذمہ داری تھی تو بس ایک خاص عمر تک تھی۔ ظاہر بات ہے پھر اولاد کو بھی ماں باپ کی کیا فکر ہو گی؟ چنانچہ بڑھاپے میں ماں باپ کو Old Homes میں چھوڑ آتے ہیں کہ یہاں پر کھانا پینا ملتا رہے گا' البتہ ہمیں دیکھنا نصیب نہیں ہو گا' زیادہ سے زیادہ کوشش کریں گے کہ کرسمس میں آ کر تمہیں اپنی شکل دکھا دیں' لیکن اکثر و بیشتر والدین کرسمس کے موقع پر بھی ترستے رہ جاتے ہیں اور انہیں اپنی شکل دکھانے کے لئے کوئی نہیں آتا۔ یہ ہے سماجی نظام' جس میں پردے کا سوال ہی کیا' شرم کا سوال ہی کیا' عزت و عصمت کا سوال ہی کیا! یہ سماجی نظام آج کم از کم آدھی انسانیت پر تو مسلّط ہو چکا ہے۔ البتہ ابھی کچھ افریقہ اور زیادہ تر ایشیا میں یہ نظام کسی درجے میں سابقہ حالت میں برقرار ہے' اگرچہ ہر ملک کا ایلیٹ (Elite) طبقہ اس نظام کو اختیار کر چکا ہے۔ یعنی اوپر کا طبقہ بے پردگی' فحاشی' عریانی' آزاد جنس پرستی اختیار کر چکا ہے۔ زیادہ طلاقیں اسی وجہ سے ہوتی ہیں۔ جتنی شادیاں ہوتی ہیں ان میں اکثر جلد از جلد تحلیل ہو جاتی ہیں' طلاقیں ہو جاتی ہیں' خاندانی نظام چلتا ہی نہیں۔ یہ ہے تیسرا نظام۔

البتہ مشرقی ممالک میں ابھی شرم و حیا کا کچھ عنصر جو باقی ہے اور خاندانی نظام کسی حد تک برقرار ہے تو مغرب کی طرف سے ایک زبردست تحریک چل رہی ہے کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے' یہ بھی ہم جیسے ہو جائیں' ان میں بھی لبرل ازم اور روشن خیالی آ جائے کہ اگر میری بیوی زنا کر رہی ہے تو کیا ہے! اس کی مرضی ہے۔ میری بیٹی آوارہ ہو گئی ہے تو مجھے کیا! وہ اپنے مستقبل کو خود خراب کر رہی ہے' اسے شادی کے لئے مَرد نہیں مل سکے گا' وغیرہ وغیرہ۔ یہ لبرل ازم ہے' روشن خیالی ہے' یہ عورتوں کی آزادی ہے۔ یہ کیا کہ خاندانی نظام میں بیوی' شوہر کے تابع ہو؟ وہ دونوں برابر ہیں! اور جب دونوں برابر ہیں تو ''میں بھی رانی تو بھی رانی' کون بھرے گا پانی'' کے مصداق شادی کا بندھن' خاندانی بندشیں اور اخلاقی جواز کا معاملہ سب کچھ بے معنی ہے۔ چنانچہ آپ کے علم میں ہو گا کہ ۱۹۹۴ء میں قاہرہ میں بہبود آبادی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کا ایجنڈا یہی عورت

کی آزادی تھا۔ پھر ۱۹۹۵ء میں بیجنگ کانفرنس ہوئی۔ ان کانفرنسوں کا مقصد یہ تھا کہ ایشیا اور افریقہ میں اگر خاندانی نظام کا کچھ تقدس باقی ہے' کوئی شرم وحیا اور عفت و عصمت کے تصورات باقی ہیں' خاندانی نظام کا کوئی سٹرکچر باقی ہے تو اس کو ہدف بنا کر ختم کیا جائے۔

اس کے بعد جون ۲۰۰۰ء میں بیجنگ پلس فائیو کانفرنس یونائیٹڈ نیشنز کی جنرل اسمبلی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی اور اس میں جو فیصلے ہوئے ان میں پہلے نمبر پر یہ ہے کہ prostitution (طوائفانہ زندگی) کو بھی ایک قابل احترام پیشہ مانا جائے گا۔ اس کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ایک مزدور بھی تو کمائی کے لئے اپنی قوتِ بازو کو استعمال کرتا ہے۔ اگر وہ کسّی چلا رہا ہے' اینٹیں ڈھو رہا ہے تو آخر اپنے بازوؤں کی قوت استعمال کر رہا ہے' اسی طرح ایک عورت بھی کمائی کے لئے اپنے جسم کا ایک عضو استعمال کرتی ہے تو فرق کیا ہوا؟ دوسرے نمبر پر ہم جنس پرستی ہے' یعنی gays اور lesbians کے ہم جنسی تعلق کو بھی ایک normal orientation سمجھا جائے۔ ان کے نقطہ نظر سے یہ تو مزاج کی بات ہے' کوئی اپنے مزاج کے اعتبار سے مخالف جنس سے اپنی شہوانی خواہشات کی تسکین کرتا ہے اور کوئی اپنے ہم جنس سے شہوانی خواہش پوری کر لیتا ہے تو اِن میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔ پھر یہ کہ عورت اور مَرد بالکل برابر ہیں' ان کو وراثت میں برابر حصہ ملے گا' عورت کو بھی طلاق کا برابر حق حاصل ہو گا کہ وہ جب چاہے مَرد کو طلاق دے دے' خلع کا کوئی تصور نہیں کہ عورت کسی بالاتر ادارے کے ذریعے سے ہی خلع حاصل کرے۔ ضروری نہیں کہ وہ پنچایت وغیرہ کو قائل کرے کہ ان اسباب کی بنا پر اب وہ اس شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتی' بلکہ وہ جب چاہے مَرد کو طلاق دے دے۔ پھر یہ کہ گھریلو ذمہ داریوں اور تولیدی خدمات پر وہ اپنے شوہر سے اجرت طلب کر سکتی ہے' کیونکہ وہ ایک طرح سے اس کی مزدور ہے۔ وہ گھر میں رہ کر کام کر رہی ہے تو اس کو اس کی مزدوری کا صلہ ملنا چاہئے۔ اگر وہ حمل کی تکلیف گوارا کرے اور بچے کی ولادت کا دکھ اور تکلیف برداشت کرے تو اس پر بھی وہ

اجرت لے سکتی ہے۔ شوہر کو اس کی بھی قیمت اور مزدوری دینی پڑے گی۔

تو یہ ہے وہ ایجنڈا جس کو سامنے لایا جا رہا ہے اور اس کو بہت خوبصورت نام دیا گیا ہے ''Social Engineering'' — کہ ہمیں سماجی نظام کی ایک نئی تعمیر کرنی ہے۔ جیسے کسی بوسیدہ عمارت کو گرا دیا جائے تو ظاہر بات ہے کہ اب ماہرین تعمیرات چاہئیں جو نئی بلڈنگ کا نقشہ بنائیں' پھر کنٹریکٹر چاہئیں جو اس کی تعمیر نو کریں۔ تو یہ سوشل انجینئرنگ کا پروگرام ہے جو پوری دنیا کے نمایاں ترین اور اہم ترین ادارے یونائیٹڈ نیشنز کی جنرل اسمبلی نے پاس کیا ہے اور اس پر دستخط کرنے والے ممالک میں اسلامی جمہوریہ پاکستان بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس ایجنڈے کی طرف پاکستان سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ جا رہا ہے۔ اس میں ہر سطح پر عورتوں کو ۳۳ فیصد نمائندگی دی جا رہی ہے۔ یونین کونسل ہو' لوکل باڈیز ہوں' صوبائی اسمبلیاں ہوں' ڈسٹرکٹ بورڈز ہوں' سٹی گورنمنٹس ہوں' نیشنل پارلیمنٹ ہو یا سینٹ ہو' ہر جگہ عورتوں کو ۳۳ فیصد نمائندگی دی جانی ہے۔ اس طرح اس دوڑ میں ہم سب سے آگے نکل گئے ہیں' جبکہ پوری دنیا میں کسی سیکولر جمہوریت میں بھی ایسا نہیں ہے۔ بھارت دنیا میں سیکولر جمہوریت کا معجزہ قرار پاتا ہے' کیونکہ وہاں کے رہنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے اور پھر وہ ملٹی نیشنل' ملٹی ایتھنک اور ملٹی لنگوسٹک ملک ہے۔ ہم تو گن بھی نہیں سکتے جتنی زبانیں وہاں ہیں۔ ہر صوبے' ہر سٹیٹ کی اپنی زبان ہے' لیکن وہاں سیاسی نظام جمہوریت کے تحت چل رہا ہے۔ مارشل لاء کا آج تک سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ سال کے لئے ایمرجنسی عائد کی گئی تھی اور ایمرجنسی بھی دستوری ہوتی ہے' وہ ماورائے دستور نہیں ہوتی کہ کوئی جرنیل آیا اور اس نے دستور کو اٹھا کر پھینکا' اپنا پی سی او بنایا اور ججوں تک سے اس کا حلف لے لیا۔ بھارت جیسے ملک میں ایسا آج تک نہیں ہوا ہے' اس لئے جمہوریت کا جو سب سے اونچا لحاف ہے بھارت کو اس کا معجزہ مانا جاتا ہے۔ لیکن وہاں بھی کہیں عورتوں کی نمائندگی اس معنی میں نہیں ہے۔ ہاں عورتیں الیکشن لڑ سکتی ہیں۔ ہمارے ہاں بھی یہی نظام تھا۔ چنانچہ بیگم عابدہ حسین الیکشن

لڑتی تھیں' کیونکہ وہ زمیندار ہے' جاگیردار ہے۔ اسی طرح بےنظیر بھٹو الیکشن لڑ کر آتی تھیں' لیکن عورتوں کے لئے علیحدہ سیٹیں نہیں تھیں۔ اور پھر اس وقت یونائیٹڈ نیشنز اور باہر کی حکومتیں NGOs کو پیسے دے رہی ہیں اور NGOs اس ملک میں نیا نظام تعلیم لا رہی ہیں' جس میں زیادہ توجہ عورتوں پر ہے تاکہ ان کے اندر یہ شعور پیدا ہو کہ ہم محکوم ہو کر کیوں رہیں!

تو یہ تیسرا معاملہ ہے جو مغرب میں تو اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے' یہاں تک کہ تین سال پہلے بل کلنٹن نے اپنے ایک سالانہ خطاب میں کہا تھا ''عنقریب ہماری قوم کی اکثریت حرام زادوں پر مشتمل ہو گی''۔ اس نے حرام زادہ کے لئے bastard کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا بلکہ لفظ تھا: ''born without any wed lock'' یعنی بغیر اس کے کہ عورت اور مَرد کے مابین شادی کا بندھن ہو' اولاد ہو رہی ہے۔ اسی کو ہم حرامی کہتے ہیں۔ خود یہودی اسی معنی میں (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو bastard کہتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت مریم سلامٌ علیہا کا یوسف نجار سے شادی کے لئے رشتہ تو ہو چکا تھا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی' اس سے پہلے وہ جنسی تعلق قائم کر بیٹھے جس سے یسوع مسیح کی پیدائش ہوئی۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ' نقل کفر کفر نباشد!

(iv) حاصل کلام

اب ان تینوں کو جوڑیئے۔ اس وقت صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اڑھائی لحاف تو پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے چکے ہیں' تیسرا لحاف ابھی تک پورے طور پر مغرب میں تو implement ہو چکا ہے' لیکن اب سپریم پاور امریکہ کی پوری طاقت استعمال ہو رہی ہے کہ یہ نظام پوری دنیا میں آ جائے۔ وہ کہتے ہیں ہم ایشیا کو modernize کرنا چاہتے ہیں' یعنی وہاں سیکولر سیاست گہری ہو جائے۔ عرب میں شریعت کی بنیاد پر کچھ قوانین نافذ ہیں' ایران نے شریعت کی بنیاد پر کچھ قوانین نافذ کئے ہوئے ہیں تو یہ تو سیکولرازم کی نفی ہو گئی' لہٰذا ان سب کو ختم کیا جائے۔ افغانستان میں

مذہب کی بنیاد پر ایک قانونی ڈھانچہ کھڑا ہو رہا تھا تو ہم نے اسے جڑ سے اکھاڑ دیا' اور ''Nip the evil in the bud'' کا معاملہ کیا۔ اب باقی ساری قوتیں پوری دنیا میں بھی اسی نظام کو لانے پر صرف ہوں گی۔

ان تین لحافوں کا میں اب ایک نتیجہ نکال رہا ہوں۔ نوٹ کیجئے کہ مذہب کے خلاف اتنی بڑی بغاوت آج تک نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے زیادہ سے زیادہ گمراہی کیا تھی! تصور یہ تھا کہ ایک بڑا خدا تو ہے' اس میں تو کوئی شک ہے ہی نہیں' البتہ اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے خدا بھی ہیں جو اس کے معاون ہیں' اس کے پیارے اور لاڈلے ہیں' اس کے بیٹے یا بیٹیاں ہیں' لہٰذا ان کی شفاعت (intercession) سے ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔ چنانچہ ان کی مورتیاں بنا کر پوجو' ان کی ڈنڈوت کرو' عزت کرو' چڑھاوے چڑھاؤ تا کہ یہ بڑے خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہو جائیں۔ قرآن مجید میں مشرکوں کا قول نقل ہوا ہے: ﴿هٰؤُلَآءِ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸) ''وہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے''۔ تو خدا کا انکار کہیں نہیں تھا۔ آپ کو معلوم ہے یورپ میں دو ہی تہذیبیں تھیں جو تہذیب کے نام پر ابھری ہیں' ایک یونانی تہذیب اور دوسری رومی تہذیب۔ اور دونوں میں God جو بڑی "G" سے لکھا جاتا تھا' ایک ہی تھا' جس کی تین صفات یہ تھیں کہ وہ omniscient' omnipotent اور omnipresent ہے۔ یعنی وہ ﴿بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ہے' ﴿عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ہے' اور ﴿هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ﴾ ''وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو''۔ اسی طرح انڈیا میں مہادیو ایک ہے' البتہ دیویاں اور دیوتا بے شمار ہیں۔ لیکن وہ مہادیو کے ہم پلہ تو نہیں سمجھے جاتے۔ رومی اور یونانی تہذیب کے gods and godesses بھی اس بڑے God کے ہم پلہ نہیں تھے۔ جیسے ہم کہتے ہیں: ﴿لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ ''کوئی بھی اس کا ہم پلہ اور مدمقابل نہیں ہے''۔ عرب میں ''اللہ'' ایک ہی تھا' البتہ آلِهَة بہت سے تھے۔ لیکن آج دنیا میں جو یہ بغاوت ہوئی ہے کہ اللہ کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر دیا گیا ہے کہ جاؤ مسجد' سینیگاگ' چرچ وغیرہ میں

رہو' لوگ وہاں آ کر تمہاری پوجا کریں گے' اس کے علاوہ نہ ہمارے گھر میں تمہارا عمل دخل ہوگا' نہ ہماری مارکیٹوں اور بینک میں کہیں تم داخل ہو سکتے ہو' نہ ہماری سیاست اور ریاست میں' نہ پارلیمنٹ میں' نہ سینٹ میں اور نہ ہماری عدالت میں' اس پر قرآن مجید کے یہ الفاظ صادق آتے ہیں: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ ''بحر و بر میں فساد رونما ہو گیا ہے''۔ ویسے تو اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اس نظام کے آنے کے بعد ہی پچھلی صدی میں دنیا میں دو عظیم ترین عالمی جنگیں ہوئیں جن میں کروڑوں انسان قتل ہوئے۔ یہ ''پہلی عالمی جنگ'' اور ''دوسری عالمی جنگ'' کے نام سے جانی جاتی ہیں' لیکن اس سے قطع نظر فساد سے درحقیقت مراد ہے اللہ کے خلاف بغاوت۔ جیسے کہ قرآن مجید میں منافقین کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ﴾ (البقرۃ:۱۱)

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔''

اصل میں منافقین کا موقف یہ تھا کہ بھئی قریش سے کیوں جنگ مول لے رہے ہو؟ تمہاری مت ماری گئی ہے' ایک دیو کے ساتھ ٹکرانا چاہتے ہو؟ صلح و صفائی سے کام لو۔ دشمن کو مارنا بھی ہے تو گڑ دے کر مارو! وہ جنگ کے خلاف تھے' کیونکہ اس میں جان جانے کا اندیشہ ہے' نیز مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ ان کے اس طرزِ عمل کو فساد فی الارض کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم کچھ اور ہے اور یہ کچھ اور کہہ رہے ہیں' اپنی ڈفلی بجا رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف تم بات کرو گے تو یہ فساد ہے۔ آج پوری دنیا اس فساد کی گرفت میں ہے۔ اور یہ فساد کیوں برپا ہوا ہے؟ اسی آیت میں آگے فرمایا گیا ہے: ﴿بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ ''لوگوں کے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے''۔ انسان نے خود یہ نظام بنائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی دی ہے کہ تم خود مختار رہو' جو کرو گے تم خود بھگتو گے اور تمہاری آنے والی

نسلیں بھگتیں گی۔ عذابِ الٰہی آئے گا تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسے گا' البتہ ہماری طرف سے تمہیں آزادی ہے' ہم زبردستی تمہیں روکیں گے نہیں کہ اس راستے پر مت جاؤ۔ اس لئے کہ زبردستی ہو تو پھر جزا اور سزا کا ہے کی؟ انسان کو تو اختیار دیا گیا ہے کہ ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر:۳) ''چاہے تو وہ شکر گزار رہے اور چاہے تو کفر کرے''۔ ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکھف:۲۹) ''پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''۔ ہم نے تمہیں اپنی پسند و ناپسند کا اختیار دیا ہے۔ تو یہ درحقیقت تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کے نتیجے میں ہوا۔ آگے فرمایا: ﴿لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾ ''تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں مزہ چکھائے ان کے کچھ اعمال کا''۔ سارے اعمال کا مزہ تو وہ آخرت میں چکھائے گا' جہنم میں لوگ موت مانگیں گے کہ کاش موت آ جائے لیکن موت نہیں آئے گی ﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ (الاعلیٰ:۱۳) ''پھر اس جہنم میں نہ وہ مرے گا نہ جئے گا''۔ تو اصل اور پوری سزا تو تمہیں وہاں ملے گی' البتہ تمہارے کرتوتوں کی کچھ سزا ہم یہیں دے دیں گے۔ اور اس سزا کی بھی ایک حکمت ہے۔ فرمایا: ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ''شاید کہ یہ لوٹ آئیں''۔ شاید کہ ٹھوکر کھا کر سنبھل جائیں۔ شاید کہ عذابِ الٰہی کے جھنجوڑنے سے یہ جاگ جائیں۔

میری گفتگو کا اب تک کا حاصل یہ ہے کہ یہ جو ہمارا Globe ہے اس پر تین لحاف چڑھے ہوئے ہیں۔ شرم و حیا اور عفت و عصمت تار تار ہے۔ سود' جوا اور انشورنس کی بنیاد پر سرمایہ دارانہ نظام قائم ہے اور سیکولر نظامِ حکومت ہے۔ اور اس کی چوٹی پر امریکہ بیٹھا ہوا ہے۔ بائبل میں یوحنا کا ایک مکاشفہ درج ہے کہ ''...... میں نے قرمزی رنگ کے حیوان پر جو کفر کے ناموں سے لپا ہوا تھا اور جس کے سات سر اور دس سینگ تھے' ایک عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ عورت ارغوانی اور قرمزی لباس پہنے ہوئے اور سونے اور جواہر اور موتیوں سے آراستہ تھی اور ایک سونے کا پیالہ مکروہات یعنی اس کی حرام کاری کی ناپاکیوں سے بھرا ہوا اس کے ہاتھ میں تھا......'' وہ آبرو باختہ عورت

امریکہ ہے جو آج کفر کے ناموں سے لپے ہوئے دیو ہیکل حیوان کی پیٹھ پر سوار ہے۔ وہاں کی اکثریت کہتی ہے:

"We are living together but we are not married"

یعنی ہم ساتھ رہ رہے ہیں' بچے ہو رہے ہیں' لیکن ہمارے درمیان شادی کا بندھن نہیں۔ اسی بنیاد پر تو کلنٹن نے کہا تھا "عنقریب ہماری قوم کی اکثریت حرام زادوں پر مشتمل ہو گی"۔ یوحنا کی انجیل کے آخری باب مکاشفہ (Revelations) کے باب ۱۷ میں یہ مکاشفہ بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے اور وہاں اس آبرو باختہ عورت کے لئے کسبی (harlet) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ میرے نزدیک اس تشبیہ سے اصل مراد یہ ہے کہ اسرائیل وہ harlet ہے جو آج عیسائی دنیا کی پیٹھ پر سوار ہے' لیکن میں یہاں وہ تشبیہ امریکہ کے لئے استعمال کر رہا ہوں کہ جو اِن تین لحافوں میں لپٹے ہوئے اس کرۂ ارض پر سوار ہے۔

تیسری سطح: مذہبی تصادم

اب تیسری سطح پر آیئے۔ یہ ذرا مخفی سطح ہے' کیونکہ آج دنیا میں مذہب سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے اور یہ معاملہ خالصتاً مذہبی ہے۔ اس لئے عام طور پر تو لوگ اس کے بارے میں گفتگو بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ یہ کہ یہود و نصاریٰ کے درمیان ایک مذہبی چپقلش بھی صدیوں سے چلی آ رہی تھی۔ اس مذہبی چپقلش میں سب سے فعال یہودی ہیں' جو اپنی کئی صدیوں کی جدوجہد اور محنت کے نتیجے میں عیسائی دنیا کو فتح کر چکے ہیں۔ لیکن سب عیسائی ایک جیسے نہیں ہیں۔ رومن کیتھولک نے بھی اگرچہ ہتھیار ڈال دیئے ہیں لیکن ان کے دلوں میں یہودیوں کی محبت نہیں ہے۔ آج بھی فرانس کے اندر Anti Semetism پھر سر اٹھا رہا ہے اور فرانسیسی حکومت بڑی تشویش میں ہے۔ عیسائیوں کے دلوں میں یہودیوں کے خلاف غصہ اور نفرت ہے کہ انہوں نے ہمارے خدا کے بیٹے کو سولی چڑھایا تھا' لیکن مجموعی طور پر وہ ہتھیار پھینک چکے ہیں۔ ان کا پوپ یہودیوں کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے سولی دیئے جانے کے الزام سے بری کر چکا ہے۔

(i) صہیونیوں کا پروگرام

اب ان یہودیوں کا پروگرام کیا ہے؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ ''ہم خدا کے برگزیدہ و چنیدہ بندے ہیں'' (We are the chosen people of the Lord)۔ پورے انسان صرف ہم ہیں۔ باقی انسانوں کو وہ Gentiles یا Goyims کہتے ہیں کہ یہ انسان نہیں ہیں' انسان نما حیوان ہیں' اور حیوانوں کا استحصال کرنا انسانوں کا حق ہے۔ آپ گھوڑے کو ٹانگے کے اندر جوت دیتے ہیں' یہ آپ کا حق ہے۔ آپ بیلوں کو ہل کے اندر جوت دیتے ہیں' یہ آپ کا حق ہے۔ آپ بکری' گائے' بیل' اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں' یہ آپ کا حق ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ ہمارا حق ہے کہ ان Gentiles اور Goyims کو جس طرح چاہیں لوٹیں' جس طرح چاہیں ان سے خدمت لیں اور جس طرح چاہیں ان کا خون چوسیں۔ یہ ان کے تالمود میں ہے جو ان کی فقہ کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں صاف لکھا ہے کہ Gentiles کو دھوکہ دینا' ان کو لوٹ لینا' ان کا مال چوری کرنا' ان کو قتل کرنا' ان کا خون چوسنا' ان کا استحصال کرنا یہودیوں کا حق ہے۔ یہ ہے تالمود کی تعلیم۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے: ﴿قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ﴾ (آل عمران: ۷۵) ''وہ کہتے ہیں کہ ان اُمّیّین (غیر یہودیوں) کے بارے میں ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا''۔ وہ کہتے ہیں یہ اُمّیّین (Gentiles) ہیں' جن کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے' کتاب تو ہمارے پاس ہے یعنی تورات' کیونکہ وہ قرآن اور انجیل کو تو مانتے نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اُمّیّین کے بارے میں ہم پر کوئی پرسش نہیں ہے' ہم جو چاہیں ان کے ساتھ کریں۔ لہٰذا وہ دنیا پر ایسا غلبہ چاہتے ہیں کہ انسانیت کو حیوانیت کی سطح پر لے جائیں۔ چنانچہ ان کا بینکنگ سسٹم کے ذریعے جو معاشی پروگرام ہے' یعنی ورلڈ بینک' آئی ایم ایف' TRIPS کا معاہدہ وغیرہ' اس سے ان کے پیش نظر یہ ہے کہ پوری دنیا مزدوروں میں تبدیل ہو جائے' وہ بس کام کریں اور جو کچھ ان کی یافت ہو وہ بینک کے سود کی شکل میں ہم کھینچ لیں۔ ہمیں پوری دنیا پر حکومت نہیں کرنی' اگر ہم دنیا میں براہِ راست حکومت

کریں گے تو دنیا میں بغاوت ہوگی' محکوم ہمارے خلاف بغاوتیں کریں گے' ہم انہیں قتل کریں گے تو وہ بھی ہمیں قتل کریں گے! (آج یہودی فلسطینیوں کو قتل کر رہے ہیں تو فلسطینی بھی خودکش حملے کر کے کبھی بیس کبھی پندرہ یہودی مار دیتے ہیں) تو اس کی کیا ضرورت ہے؟ حکومت کرنے کا اصل مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ ٹیکس لینا' ریونیو اکٹھا کرنا اور بس۔ وہ ٹیکس اور ریونیو ہم اپنے بینکنگ کے نظام کے تحت لے لیں گے۔ ساری دنیا کا کاروبار بڑی بڑی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے ذریعے ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ کبھی گلی گلی aerated water بنانے کی مشینیں لگی ہوتی تھیں۔ کسی کے پاس تھوڑا سا پیسہ ہوتا تھا تو وہ سوڈا واٹر کی بوتلیں بنا کر بیچا کرتا تھا' جبکہ اب آپ صرف ڈسٹری بیوٹر ہو سکتے ہیں۔ آپ سیون اپ' پیپسی اور کوکا کولا کے ڈسٹری بیوٹر ہو سکتے ہیں' خود تیار نہیں کر سکتے۔ پہلے کیا ہوتا تھا کہ غریب آدمی جھونپڑی کے اندر ڈھابہ کھول کر بیٹھا ہوا ہے' ایک چولہا جلا کر اس کے اوپر کچھ پکا کر بیٹھا ہوا ہے۔ اب وہ سب کچھ ختم ہو رہا ہے۔ اب فائیو سٹار ہوٹل ہیں۔ اب تو دبئی میں سیون سٹار ہوٹل بن گیا ہے جہاں کئی ہزار ڈالر ایک رات کا کرایہ ہے۔ اب تو پوری دنیا کے اندر ملٹی نیشنلز کا تسلط ہے۔ Pearl Continentals ہیں' شیرٹن کی chain ہے' ہالی ڈے ان کی chain ہے۔ یہ تو یہودیوں کا ایک پروگرام ہے کہ پوری دنیا کا معاشی استحصال کرنا ہے۔ اور اس میں اصول یہ ہیں کہ جیسے آپ گھوڑے کو تانگے میں جوت کر شام کو کچھ کمائی کرتے ہیں تو تھوڑا سا چارا' کچھ دال چنے گھوڑے کو بھی ڈالتے ہیں تاکہ وہ اگلے روز جوتنے کے قابل ہو جائے' یعنی کچھ نہ کچھ subsistence level اس کو بھی دینا پڑے گا۔ لہٰذا یہودیوں کا اصول ہے کہ تم محنت مزدوری کرو' تمہیں اجرت مل جائے گی' لیکن اس کی ملائی ہم کھینچ لیں گے۔ تو یہودیوں کا ایک پروگرام یہ ہے' جسے ان کی طرف سے گلوبلائزیشن کا نام دیا جا رہا ہے۔ اس گلوبلائزیشن کے خلاف اگر دنیا میں کہیں ردعمل ہے تو یورپ اور امریکہ میں ہے' ہمیں تو پتہ بھی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ہمیں آگاہی ہی نہیں ہے' ہماری ''جان کاری'' ہی نہیں ہے' ہمیں کیا پتہ کہ نوع

انسانی کی قسمت کے بارے میں کیا فیصلے ہو رہے ہیں۔ یہ گلوبلائزیشن کے لئے کبھی سی ایٹل (Seattle) میں جمع ہوتے ہیں تو کبھی ڈیووس (Davos) میں اور کبھی واشنگٹن میں۔ اور ہر مقام پر اس گلوبلائزیشن کے خلاف نہایت عظیم مظاہرے ہوئے ہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ۔

"نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی!"

ان کا دوسرا پروگرام عظیم تر اسرائیل کا قیام ہے کہ ہمیں عرب دنیا کے عین درمیان میں ایک بڑی مملکت ضرور بنانی ہے۔ یہ گریٹر اسرائیل ان تمام علاقوں پر مشتمل ہو گا جہاں کبھی یہودی قومی طور پر آباد رہے ہیں۔ ویسے تو وہ اپنے دورِ انتشار (Diaspora) میں پوری دنیا میں رہے ہیں' لیکن گریٹر اسرائیل میں وہ فلسطین' شام' ترکی کا مشرقی اور جنوبی حصہ' مصر کا جوشن جو دریائے نیل کا زرخیز ڈیلٹا ہے اور عراق کے علاوہ سعودی عرب کا شمالی حصہ' جس میں خیبر ہے جہاں یہودیوں کے قلعے تھے اور مدینہ منورہ جہاں ان کے تین قبیلے آباد تھے' ان علاقوں کو شامل کرنا چاہتے ہیں اور اس کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے۔ چنانچہ عراق کو امریکہ نے فتح کیا تو شیرون نے کہا کہ عنقریب عراق پر ہمارا قبضہ ہوگا۔

تیسری چیز جو اُن کے پیش نظر ہے وہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو گرا کر تیسرا معبد سلیمانی (Third Temple of Solomon) تعمیر کرنا ہے۔ پہلا ٹیمپل حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا۔ ہم تو اسے مسجد کہیں گے' وہ ٹمپل کہتے ہیں۔ یہ ایک ہزار سال قبل مسیح میں بنا تھا لیکن ۵۸۷ قبل مسیح میں عراق کے بادشاہ بخت نصر نے' جس کے ہاتھوں یہودیوں کی تباہی ہوئی' اس ٹمپل کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ (اسی لئے اسرائیل کو سب سے زیادہ خطرہ عراق سے تھا کہ پہلے بھی ہماری تباہی ایک عراقی بادشاہ کے ہاتھوں ہوئی تھی) پھر اسے ڈیڑھ سو برس کے بعد دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی کے چالیس برس بعد رومیوں کے جنرل ٹائٹس (تیطس)

رومی نے اسے بھی گرا دیا اور ۷۰ عیسوی سے آج تک وہ گرا پڑا ہے۔ اسے تقریباً دو ہزار برس (۱۹۳۴ برس) ہو چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اب ہمیں اسے دوبارہ بنانا ہے۔ اس کی جگہ پر مسجد اقصیٰ بنا دی گئی تھی اور اس پتھر پر جہاں سے حضور ﷺ کا شب معراج میں آسمانی سفر شروع ہوا تھا اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ایک گنبد بنا دیا تھا' آپ بی بی سی وغیرہ پر دیکھتے ہیں کہ یروشلم سے کوئی نمائندہ بات کر رہا ہو تو پس منظر میں بہت بڑا سنہری گنبد ہوتا ہے۔ یہ قبۃ الصّخرہ (Dome of the Rock) ہے۔ تو وہ کہتے ہیں ان دونوں کو ہم گرائیں گے اور اپنا تیسرا معبد تعمیر کریں گے۔

معبد کی تعمیر کے بعد وہ یہاں دو کام کریں گے۔ ایک یہ کہ جانوروں کی قربانی کا دوبارہ آغاز ہو گا۔ یہودیوں کے ہاں سب سے بڑی عبادت قربانی ہے' نماز کی اتنی اہمیت نہیں تھی جتنی قربانی کی تھی' اور قربانی کے جانور ہیکل سلیمانی میں قربان گاہ پر قربان کئے جاتے تھے۔ ہیکل سلیمانی کے انہدام کے بعد سے وہ قربانی موقوف ہے۔ تو تیسرے معبد کی تعمیر کے بعد اس میں وہ قربانی دوبارہ شروع ہو گی۔ دوسرے یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت لا کر جما دیا جائے گا اور وہاں ان کے "میسایاح" (Messiah) (حضرت مسیحؑ نہیں) کی تاج پوشی ہو گی جس کے وہ منتظر ہیں' جس کی تورات کے اندر پیشین گوئیاں ہیں۔ درحقیقت ان پیشین گوئیوں کے مصداق حضرت مسیحؑ تھے' لیکن جب وہ آئے تو ان کو یہودیوں نے مانا نہیں' بلکہ نعوذ باللہ bastard قرار دیا' کافر و مرتد قرار دیا اور اپنے بس پڑتے سولی پر چڑھا دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ لہٰذا ان کے بقول ان کے میسایاحِ منتظر کی سیٹ خالی ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق جب وہ میسایاح آئے گا تو وہ اس تختِ داؤد پر بیٹھ کر پوری دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ اس ضمن میں انہیں عیسائیوں سے کوئی اندیشہ نہیں ہے' اس لئے کہ انہیں وہ اپنی گرفت میں لا چکے ہیں' اب انہیں مخالفت صرف مسلمانوں کی طرف سے نظر آتی ہے۔ اس اعتبار سے اس وقت دنیا کے اندر مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کہیں سیاسی قوت حاصل نہ

ہونے پائے۔ یہ ہے یہودیوں کا پروگرام۔

(ii) عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے پروگرام

اب آیئے عیسائیوں کی طرف۔ عیسائیوں میں سب ایک جیسے نہیں ہیں، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً﴾ ''وہ سب کے سب برابر نہیں ہیں''۔ جیسے ہم کہتے ہیں۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مَرد مَرد!

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!!

ان میں ایک پروٹسٹنٹ فرقہ ہے، جس کا امام پہلے برطانیہ تھا اب امریکہ ہے، اور یہ ایک نسل ہے جس کو (White Anglo Saxon Protestants)WASP کہتے ہیں۔ یہ سب یہود کے پشت پناہ اور مددگار ہیں، بلکہ اس وقت یہ مذہبی یہودیوں سے بھی زیادہ اسرائیل کے حمایتی ہیں۔ آج سے کوئی چھ سال پہلے یہ بات ہمیں ایک یہودی پروفیسر نے تنظیم اسلامی آف نارتھ امریکہ کے ہوسٹن میں منعقدہ کنونشن میں بتائی تھی۔ اس نے ایک حیران کن بات یہ بھی کہی تھی کہ:

"Islam is the Ideal religion for whole of mankind except Jews."

گویا اس نے عیسائیت، ہندومت، ہر چیز کی نفی کی سوائے یہودیت کے۔ دوسری بات اس نے یہ کہی کہ اسرائیل کی پشت پناہی ہم نہیں، بلکہ یہاں کے عیسائی کرتے ہیں۔ اسرائیل کی ساری معیشت کا دارومدار امریکہ ہی پر ہے۔ پانچ ارب ڈالر تو انہیں ہر سال مل جاتے ہیں۔ باقی اگر کوئی کام امریکہ کہتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ڈالر لاؤ! موجودہ بش کے باپ سے انہوں نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کے لئے دس ارب ڈالر مانگے تھے۔ اس نے ایک شرط لگا دی کہ تم فلسطینیوں کے ساتھ امن مذاکرات شروع کر دو، تب میں دوں گا۔ یہودی ناراض ہو گئے، انہوں نے پیچ و تاب کھائے لیکن اس وقت یہ شرط ماننی پڑی۔ لیکن اس کی سزا اسے یہ دی کہ اگلے الیکشن میں وہ زیرو ہو گیا۔ اس سے دس ارب ڈالر بھی لے لئے اور اس سے اپنی شرط نہ ماننے کا بدلہ

بھی چکا لیا۔ تو عیسائیوں میں ایک تو یہ پروٹسٹنٹ ہیں' خاص طور پر The Baptists اور اخص الخواص کی حیثیت سے The Evengelists جن کی امریکہ کے اندر اکثریت ہے اور وہ اسرائیل کی حمایت کر رہے ہیں۔ وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ تیسری عالمگیر جنگ (آرمیگاڈان) جلد از جلد ہونی چاہئے' اس کے نتیجے میں گریٹر اسرائیل وجود میں آنا چاہئے' تھرڈ ٹمپل تعمیر ہونا چاہئے' جہاں تختِ داؤدؑ لا کر رکھا جائے۔ تب حضرت عیسٰیؑ دوبارہ نازل ہوں گے اور اس تخت کے اوپر بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کریں گے۔ یعنی پروگرام وہی ہے' فرق صرف یہ ہے کہ وہ اپنے میسایاح کے منتظر ہیں اور یہ اپنے حضرت مسیحؑ کے۔ یہودیوں کے خیال میں ان کا میسایاح آئے گا اور تختِ داؤدؑ پر وہی بیٹھے گا' جبکہ ان کے خیال میں حضرت عیسٰیؑ آسمان سے اتریں گے اور وہ تختِ داؤدؑ پر بیٹھیں گے۔

اس تختِ داؤد کا پس منظر بھی سمجھ لیجئے۔ حال ہی میں مجھے اس کے مطالعے کا موقع ملا۔ یہ ایک پتھر تھا جس پر حضرت داؤد علیہ السلام کی تاج پوشی (Coronation) ہوئی تھی۔ پھر اسی پتھر پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاج پوشی ہوئی۔ وہ پتھر اُن کے ہاں چلا آ رہا تھا۔ ۷۰ عیسوی میں جب رومی جنرل ٹائٹس نے ہیکل سلیمانی تباہ کیا تو وہ اس پتھر کو روم لے گیا۔ روم سے وہ پتھر آئر لینڈ چلا گیا جو بہت بڑی کیتھولک آبادی ہے۔ (آج بھی آئر لینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹس کے اندر جنگ ہو رہی ہے۔) وہاں سے وہ پتھر چودھویں صدی عیسوی میں انگلینڈ آیا تو اسے تخت کی صورت دے دی گئی۔ یعنی تخت کی سیٹ اسی پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ یہ تخت اب انگلینڈ کی پارلیمنٹ کی عمارت سے ملحقہ چرچ ''ویسٹ منسٹر ایبے'' میں رکھا ہے اور اسی پر بٹھا کر انگریز حکمرانوں کی تاج پوشی کی جاتی ہے۔ یہ روایت ابھی تک چلی آ رہی ہے۔ تو ان کا خیال ہے کہ اس معبد میں وہ تخت بھی ہم لا کر رکھ دیں گے اور پھر حضرت مسیحؑ نازل ہوں گے تو اس تخت پر تشریف فرما ہوں گے۔

اب یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ جا رہی ہیں۔ تھوڑا سا اختلاف اگر ہے تو یورپ

کی سب سے بڑی طاقت میں ہے۔ سینٹرل یورپ کی اصل قوتیں فرانس اور جرمنی ہیں' باقی چھوٹے چھوٹے ملک ہیں۔ انگلینڈ تو ویسے بھی اصل یورپ سے علیحدہ ایک جزیرہ ہے اور وہ اس وقت ہر اعتبار سے امریکہ کا ضمیمہ ہے۔ تو یہ جو اختلاف ہے کہ جرمنی اور فرانس ایک طرف ہیں اور یہ عراق کی جنگ سے علیحدہ رہے' یہ اختلاف صرف سیاسی نہیں ہے' یہ صرف اپنے آپ کو عالمی سطح پر منوانے کا مقابلہ نہیں ہے' بلکہ یہ اختلاف مذہبی بھی ہے' وہ کیتھولکس ہیں یہ پروٹسٹنٹس ہیں' اور پروٹسٹنٹس کیتھولکس کو کافر (Infidels) اور پوپ کو شیطان کہتے ہیں۔ "Trumpet" کے نام سے ان کا ایک ماہنامہ رسالہ فلاڈلفیا (امریکہ) سے نکلتا ہے' کچھ عرصہ سے میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اصل میں یورپ جو اِس وقت ایک ہو رہا ہے یہ معاملہ سیاسی نہیں مذہبی ہے اور اس میں اصل متحرک طاقت پوپ کی ہے۔ اور موجودہ پوپ واقعتاً ایسا ثابت ہوا ہے جس نے پوری دنیا میں move کیا ہے۔ اس سے پہلے پوپ اپنے گھر ویٹیکن میں بیٹھا رہتا تھا' باہر نہیں نکلتا تھا' جبکہ یہ پوپ شدید ترین بڑھاپے کے باوجود دنیا بھر کے سفر کر رہا ہے۔ یہ مقدس رومی سلطنت (Holy Roman Empire) کا دنیا میں دوبارہ احیاء کرنا چاہتا ہے' جو پورے یورپ' شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا کے بہت سے علاقوں پر چھائی ہوئی تھی۔ اور یورپ کی یہ قوتیں چاہتی ہیں کہ فلسطین کو فتح کریں' یعنی اسرائیل بھی ختم کریں اور فلسطینی سٹیٹ بھی ختم کریں اور وہاں پر ایک رومن کیتھولک حکومت قائم کریں۔

''نیوز ویک'' میں فلسطین کے بارے میں ایک بڑا پیارا جملہ میری نظر سے گزرا تھا:

"Too small a geography but too big a history"

اس سے پانچ ہزار سال کی تاریخ وابستہ ہے۔ یہی حضرت ابراہیم' اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کا مسکن تھا۔ چنانچہ یہودیوں کا بھی مقدس ترین مقام یہی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ یہیں پیدا ہوئے' یہیں یہودیوں کے بقول سولی چڑھے۔ یہیں انہوں نے گلیلی اور مختلف علاقوں میں تبلیغ کی' یہیں وہ کوہِ زیتون ہے جس پر آپؑ نے

اپنا تاریخی وعظ Sermon of the Mount کہا۔ لہٰذا یہ عیسائیوں کا بھی بہت محترم مقام ہے۔ مسلمانوں کا بھی یہ مقدس مقام ہے اور وہ اسے تیسرا حرم کہتے ہیں۔ پہلا حرم مکی ہے' دوسرا حرم مدنی ہے اور تیسرا ''الحرم الشریف'' مسجد اقصیٰ ہے۔ یہیں سے حضرت محمد ﷺ کا آسمان کی طرف معراج شروع ہوا تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ واقعتاً بہت چھوٹا سا خطہ ہے' اس کا رقبہ محض ہماری سابقہ ریاست بہاولپور کے برابر ہو گا' لیکن تاریخ اور مذاہب کے confluence کے اعتبار سے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا یہودیوں' پروٹسٹنٹ عیسائیوں اور کیتھولک عیسائیوں کے اپنے اپنے نقشے اور منصوبے ہیں۔ عیسائیوں نے انڈونیشیا کے جزیرے تیمور کو تقسیم کرا کر وہاں ایک رومن کیتھولک حکومت قائم کی ہے۔ نائجیریا میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں جو شدید ترین فسادات ہوئے ہیں وہاں بھی عیسائیوں کا اصل مقصد ایک رومن کیتھولک حکومت قائم کرنا ہے۔ ماہنامہ ''ٹرمپٹ'' میں ایک عنوان قائم ہوا ہے: ''The Last Crusade''۔ پروٹسٹنٹس کا یہ الزام ہے کہ آخری کروسیڈ اب ہونے والا ہے۔ اب ساری یورپی قوتیں جمع ہو کر حملہ کریں گی اور فلسطین میں عیسائی حکومت قائم ہو جائے گی۔ آپ نوٹ کیجیے پہلی صلیبی جنگیں دوسرے ملینیم کے آغاز میں شروع ہوئی تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے ایک ہزار سال بعد پہلا ملینیم ختم ہو گیا اور دوسرا ملینیم ۱۰۰۱ء سے شروع ہو گیا۔ دوسرے ملینیم کے شروع میں صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا اور ۱۰۹۹ء میں انہوں نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اب ۲۰۰۱ء سے تیسرا ملینیم شروع ہوا ہے اور یہ آخری کروسیڈ ہو گا کہ یورپ کی رومن کیتھولک قوتیں فلسطین پر حملہ آور ہوں گی اور یہاں ایک رومن کیتھولک حکومت قائم کرنا چاہیں گی۔

(iii) تمام عیسائیوں کا مشترک ایجنڈا

اس ضمن میں ایک بات مزید نوٹ کر لیں کہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹس کا آپس میں خواہ کتنا ہی مذہبی اختلاف ہو' اور فرانس اور جرمنی کا سیاسی اور عسکری اعتبار سے امریکہ سے کتنا ہی اختلاف ہو' ایک چیز پر وہ متفق ہیں۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے پورے

فلسطین کو مسلمانوں سے آزاد کرانا ہے اور دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے دماغ میں جو یہ خناس پیدا ہو گیا ہے کہ ہمارا ایک نظام ہے جس کو ہم قائم کریں گے' اس خناس کو واش آؤٹ کرنا ہے۔ اس پس منظر میں اب آپ ایک بات سوچئے! بہت اہم بات ہے۔ امریکی مفکرین کہتے ہیں:

"We are not against Islam, we are not going to war against Islam, we want a war within Islam."

اس کا کیا مطلب ہے؟ درحقیقت اسلام دو ہیں۔ اسلام کا ایک مذہبی تصور ہے کہ مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں' اس کی نماز پڑھتے ہیں' اس کے حکم پر روزے رکھتے ہیں' اس کے حکم کے مطابق حج و عمرہ کرتے ہیں' جن کو اللہ توفیق دے وہ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ ان کے کچھ عقائد ہیں' کچھ تقاریب ہیں' عیدیں ہیں' یعنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔ پھر ان کے کچھ سماجی رسوم و رواج ہیں۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو عقیقہ کرتے ہیں' شادی کرنی ہو تو نکاح ہوتا ہے اور کسی کے مر جانے پر اسے جلاتے نہیں بلکہ دفن کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شراب نہیں پیتے' سور نہیں کھاتے۔ یہ مذہب ہے۔ جبکہ ایک اسلام ہے بطورِ دین۔ اس کا ایک سیاسی نظام ہے' ایک معاشی نظام ہے' ایک سماجی نظام ہے۔ تو وہ کہتے ہیں ہماری ساری جنگ اسلام بطورِ دین کے خلاف ہے' اسلام بطورِ مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ ان کا یہ کہنا کسی حد تک درست ہے کہ ہم مذہب اسلام کے خلاف نہیں ہیں' اور اس کی وہ گواہیاں دیتے ہیں کہ دیکھو تم یہاں آتے ہو اور کالوں اور گوروں کو مسلمان کر لیتے ہو' ہم نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ تم یہاں آ کر ہمارے چرچ اور سینیگاگ خریدتے ہو اور مسجد بنا لیتے ہو' ہم نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ تم نمازیں پڑھتے ہو' ہم نے اعتراض نہیں کیا۔ یہ ضرور ہے کہ آپ کام کے اوقات میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ البتہ ان میں کچھ لوگ اتنے considerate ہوتے ہیں کہ کام کے اوقات میں بھی وہ وقت دے دیتے ہیں کہ ظہر یا عصر کی نماز پڑھ لو' ورنہ عام مسلمان وہاں مجبور ہے۔ چنانچہ ایک گھنٹہ کا جو دوپہر کے کھانے کا وقفہ ہوتا ہے اسی میں وہ ظہر اور عصر پڑھ لیتے ہیں اور پھر گھر جا کر مغرب اور عشاء ادا کرتے ہیں۔ لیکن بہر حال ان کا موقف یہ

ہے کہ تمہاری نماز پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ روزے رکھتے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسلام بطور مذہب سے تو ہماری جنگ نہیں ہے۔ بلکہ ہم رمضان میں وائٹ ہاؤس میں افطاری بھی دے دیں گے اور بہت سے لوگوں کو بلا لیں گے کہ آؤ روزہ افطار کرو۔ اور عید کے موقع پر کوئی یادگاری ٹکٹ بھی جاری کر دیں گے۔ تو اس اسلام سے ان کی کوئی جنگ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''We are ready to embrace it'' اس لئے کہ سیکولرازم کا اصول ہی یہ ہے۔ سیکولرزم لامذہبیت نہیں ہے' لادینیت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک سیکولر ملک میں تمام مذاہب رہ سکتے ہیں۔ ہندو اور سکھ وہاں ٹمپل اور گوردوارے بنا سکتے ہیں' وہاں تمام مذاہب کو کھلی اجازت ہے۔ ان کی طرف سے آزادی ہے کہ چاہے ایک خدا کو پوجو' ہزار کو پوجو' درختوں کو پوجو' سانپ کو پوجو' بتوں کو پوجو' جس کو چاہو پوجو۔ چاہے ٹمپل بناؤ اور اس میں جو چاہو بھجن گاؤ' چاہے گروگرنتھ کے سامنے ماتھا ٹیکو' انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسی طرح اسلام بطور مذہب سے بھی ان کی کوئی جنگ نہیں ہے۔ لیکن ان کا کہنا ہے کہ ہم اسلام کو بطور دین کبھی برداشت نہیں کر سکتے' اس کو ہم نے ختم کر کے دم لینا ہے۔

نوٹ کر لیجئے کہ پچاس برس تک عالمی طاقتوں کی جو سرد جنگ چلی ہے وہ مذہب کی بنیاد پر نہیں تھی' نظام کی بنیاد پر تھی' یعنی سرمایہ دارانہ نظام بمقابلہ اشتراکی نظام۔ اشتراکی نظام میں انفرادی ملکیت کے بجائے قومی ملکیت کا تصور تھا' لہٰذا اس میں سود کا بھی خاتمہ تھا۔ تو آج اصل میں مغرب کی جنگ دین اسلام کے خلاف ہے جو طے کی جا چکی ہے۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں ''War within Islam'' یعنی وہ مذہبی تصور والے عناصر کو اسلام کو بطور دین ماننے والوں اور نظام کی بات کرنے والوں کے ساتھ ٹکرا دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے علماء کی اکثریت اسلام کو ایک مذہب کی حیثیت سے جانتی ہے' دین کی حیثیت سے اسلام ان کے سامنے ہے ہی نہیں۔ تبلیغی جماعت بھی اسلام کو مذہب کے طور پر مانتی ہے۔ ان کے پیش نظر انفرادی ترجیحات مثلاً نماز' روزہ' ڈاڑھی' ٹخنوں سے اوپر شلوار وغیرہ ہیں۔ ان کو نظام سے کوئی بحث نہیں' نظام کوئی بھی

ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ مذہبی لوگ نظام کے علمبرداروں کو crush کر دیں' لہٰذا وہ مذہبی لوگوں کی حمایت کریں گے۔ اس سے انہیں دو مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔ ایک تو مذہبی لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ مذہب کے خلاف تو ہیں ہی نہیں۔ وہ سوچیں گے کہ خواہ مخواہ کچھ لوگ ہمیں بہکاتے ہیں' یہ اسلام کے خلاف کہاں ہیں؟ ہو سکتا ہے وہ مسجد بنانے کے لئے آپ کو عطیات دے دیں' ان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت کے وفود امریکہ میں چکر لگائیں انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ وفود نظام کی بات نہیں کرتے۔ اور نظام کی بات کون کرتے ہیں؟ یہ میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ ذرا سمجھ لیں۔

اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کے جذبے کا تاریخی پس منظر

اصل میں ہوا کیا ہے! آج سے نصف صدی قبل تک' کہیں سو برس سے' کہیں دو سو برس سے اور کہیں تین سو برس سے یورپ کی نو آبادیاتی طاقتیں عالمِ اسلام پر قابض تھیں۔ ہمارے ہاں انگریز تھا' ملایا وغیرہ کے اندر ولندیزی تھے' مصر اور عراق میں بھی انگریز تھے' شام میں فرانسیسی تھے' لیبیا میں اطالوی تھے۔ ان استعماری طاقتوں نے ہمیں دبایا ہوا تھا۔ اور اُس وقت ہمیں جو آزادی تھی وہ صرف مذہبی آزادی تھی' دین کی آزادی نہیں تھی۔ دین تو اُن کا تھا' پینل کوڈ ان کا تھا' تعزیرات ان کی تھیں' فوجداری قوانین ان کے تھے۔ زیادہ سے زیادہ انہوں نے ہمارے ساتھ یہ رعایت کی تھی' اور یہ بہت بڑی رعایت تھی' کہ تم اپنے عائلی قوانین پر عمل کر سکتے ہو۔ یعنی نکاح جیسے چاہے کرو' طلاق جیسے چاہے دو' اس معاملے میں سارے فتوے اپنے مولویوں سے لے لو' ہمیں کوئی فکر نہیں ہے' ہمارے پاس بھی اگر آئے تو ہم تم سے پوچھ لیں گے کہ تم شریعت کا حکم چاہتے ہو یا رواج کا؟ تم رواج کا کہو گے تو ہم اس کے مطابق فیصلہ کر دیں گے' شریعت کا کہو گے

تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیں گے۔ ''Mohammadan Law'' نامی کتاب ایک پارسی کی لکھی ہوئی تھی۔ اسی طرح وراثت کے قانون میں آزادی تھی کہ تم مالِ وراثت صرف بیٹوں کو دینا چاہو' صرف بڑے بیٹے کو دینا چاہو یا بیٹیوں کو بھی دینا چاہو تمہیں اختیار ہے۔ وہ پوچھ لیا کرتے تھے کہ آپ وراثت کے معاملے میں شریعت کا فیصلہ چاہتے ہیں یا رواج کا؟ ہمارے بڑے زمیندار کھڑے ہو کر کہتے تھے ''رواج کا!'' گویا شریعت ہمیں نہیں چاہئے۔ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دے دیں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ رعایت بھی سیکولرزم کے خلاف ہے۔

آج امریکہ میں آپ کو اپنے عائلی قوانین (Family Laws) پر عمل کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں رہیں گے تو ان کے عائلی قوانین کے مطابق آپ کو رہنا ہوگا۔ طلاق وغیرہ کے معاملے میں جو اُن کا قانون ہے اس کی پیروی کرنی ہوگی۔ اور بھارت یہی زور لگا رہا ہے۔ بی جے پی کے منشور کا سب سے اہم حصہ CCC (Common Civil Code) ہے کہ ہندوستان کی سب قوموں کے عائلی قوانین ایک ہوں گے۔ مسلمان جب ہمارے ساتھ رہتے ہیں تو فیملی لاز ایک سے ہونے چاہئیں۔ سیکولرزم میں تو قوم ایک ہوتی ہے۔ قوم ایک ہے تو خاندانی قوانین بھی ایک ہونے چاہئیں۔ یہ کیا کہ نکاح و طلاق کے ان کے اپنے اصول ہیں؟ بہرحال انگریز نے ہمیں رعایت دے رکھی تھی کہ عائلی قوانین یعنی نکاح و طلاق کے قوانین میں تمہیں آزادی ہے' یہاں تک کہ وراثت تم اپنے قوانین کے مطابق تقسیم کر سکتے ہو۔ لیکن جب یہ نوآبادیاتی نظام تتر بتر ہونا شروع ہوا' ولندیزی ملایا (سماٹرا' جو اَب انڈونیشیا کہلاتا ہے) سے چلے گئے' انگریز نے ہندوستان سے بستر باندھا' فرانس نے شام سے بستر تہہ کیا' صدر ناصر نے برطانیہ کو اٹھا کر بحیرۂ روم میں پھینک دیا' اٹلی لیبیا سے اور فرانس مراکو سے چلا گیا' تو مسلمانوں کے ایک خاص طبقے میں ایک خیال پیدا ہوا کہ ہمارا بھی تو ایک نظام ہے۔ یہ انگریز کا لایا ہوا بھی ایک نظام تھا' فرانسیسیوں کا دیا ہوا نظام بھی ایک نظام تھا' اور ہمارا بھی ایک نظام ہے' ہم کیوں نہ اس کو نافذ کریں۔ یہ اصل میں اس آزادی کا ایک ثمرہ تھا

کہ مسلمانوں میں ایک خودآگاہی پیدا ہوئی' اور انہوں نے اسلام کو بطور ایک دین کے سمجھا۔ لہٰذا احیائی تحریکیں ابھریں۔ انڈونیشیا میں مسجومی پارٹی' انڈوپاک میں جماعت اسلامی' ایران میں فدائین' عرب دنیا میں الاخوان المسلمون جیسی تحریکیں ابھریں۔ یہ ساری تحریکیں اس لئے اٹھیں کہ اسلام دین ہے اور دین اپنا غلبہ چاہتا ہے' ہمیں دین کو غالب کرنا ہے۔

لیکن بعض عوامل کی وجہ سے ان تحریکوں کو آج تک کہیں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ پہلا عامل یہ تھا کہ چاہے انگریز ہوں' فرانسیسی ہوں' اطالوی ہوں سب نے سو سالہ' ڈیڑھ سوسالہ دَور میں جو حکومت کی تھی اور نظامِ تعلیم رائج کیا تھا اس سے ان ملکوں کا اعلیٰ طبقہ (elite class) ان کے رنگ میں رنگا گیا' یعنی انہوں نے انہی کی تہذیب' انہی کی زبان' انہی کا لباس' انہی کا ذہن' انہی کی سوچ' انہی کا فکر اپنا لیا۔ اور جب انگریز حکومت ان کے حوالے کر کے چلے گئے تو بھی by proxy انہی کی حکومت جاری رہی۔ اور اس جتھے کے نزدیک اسلام صرف مذہب ہے' وہ اسلام بطور دین سے واقف ہی نہیں ہیں' وہ چاہے پرویز مشرف ہوں' بے نظیر ہوں یا کوئی اور ہوں۔ دوسری بات یہ کہ ان مسلمان تحریکوں نے طریق کار غلط اختیار کیا۔ دنیا میں اسلام ایک نظام کی حیثیت سے حضور ﷺ نے برپا کیا تھا اور یہ دوبارہ برپا ہوسکتا ہے تو صرف حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق ہوسکتا ہے۔ انہوں نے سمجھا وہ تو آؤٹ آف ڈیٹ ہے' پرانا ہے' لہٰذا الیکشن میں حصہ لے کر اس سے اسلام نافذ کریں گے۔ اس میں ناکامی ہوئی تو گولی چلانی شروع کر دی کہ فلاں فلاں کو مار دو۔ چنانچہ سادات کو قتل کر دیا گیا' سادات گیا تو حسنی مبارک آ کر براجمان ہو گیا (چند روز قبل میرے پاس ایک نوجوان آیا کہ میرا دم گھٹ رہا ہے' میں چاہتا ہوں کہ پرویز مشرف کو قتل کر دوں۔ میں نے کہا تمہارا دماغ خراب ہے؟ تم ایک پرویز کو قتل کرو گے کوئی اور پرویز آ کر بیٹھ جائے گا' فائدہ کیا ہوگا؟) تو کہاں تبدیلی ہوئی ہے؟ فوجی حکومت کے ذریعے سے کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ اس اعتبار سے اس غلط طریق کار نے ان تحریکوں کو کہیں

کامیاب نہیں ہونے دیا۔

اب ان دو اعتبارات سے اچھی طرح سمجھ لیجئے! ایک تو یہ کہ ہمارے عوام کے ذہنوں پر علماء کا جو تسلط ہے اس کے زیر اثر وہ اس تصور سے واقف ہی نہیں ہیں۔ وہ اسلام کو بطور مذہب جانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب مغربی استعمار کے بستر لپٹے ہیں تو جو نیچے حکومتیں بنی ہیں وہ انہی کے تربیت یافتہ اور تربیت دادہ لوگ تھے' چاہے وہ CSP آفیسرز تھے اور چاہے وہ بڑے بڑے لینڈ لارڈ تھے جن کے بچوں کی تعلیم مغرب میں ہوئی ہے۔ پیر پگاڑا اور اس کے بھائی کو بھی' جب ان کے والد کو پھانسی دی جارہی تھی' انگلینڈ لے جایا گیا اور وہاں ان کی تعلیم ہوئی ہے۔ اور جتنے بھی بڑے بڑے جاگیردار ہیں ان کے بچے وہیں سے تربیت حاصل کر کے آتے ہیں! وہاں سے ان کی برین واشنگ کردی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ دینی تحریکوں کا طریق کار غلط ہے۔ انہوں نے ''ballot یا bullet'' کا راستہ اختیار کیا۔ یہ دونوں غلط راستے ہیں اور یکساں غلط ہیں۔

اس پورے پس منظر میں یہ بات واضح ہے کہ اس وقت مسلمانوں اور دینِ اسلام کا مستقبل بہت ہی تاریک ہے۔ امریکہ جیسی سپر پاور' عالمی تہذیب کے تین لحاف اور مذہبی و دینی سطح پر عیسائیت اور یہودیت کا گٹھ جوڑ اور اسلام سے دشمنی ـــــ اور تیسرا اس ٹرائی اینگل کے اندر شامل ہو گیا ہے بھارت' یعنی مشرکین' ان کی قوت و طاقت' ذرائع ابلاغ پر ان کا غلبہ۔ مزید یہ کہ NGOs کے ذریعے سے نظامِ تعلیم کو جو نیا رنگ دیا جا رہا ہے' ان سب کے باعث اسلام کے بطور دین نافذ ہونے کا کم سے کم مستقبل قریب میں کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ہاں اسلام بطور مذہب باقی رہے گا' جیسے اقبال نے کہا تھا۔

ملاّ کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

دینِ اسلام آزاد نہیں ہوگا' مذہب اسلام موجود رہے گا۔ البتہ یہ صرف مستقبل قریب کی بات ہے' مستقبل بعید میں کیا ہونا ہے' اور ۔ ''اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے

والے۔ ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے!'' کی کیفیت کب اور کیسے پیدا ہو گی ـــــ جس کے ضمن میں قدرتِ الٰہی اور مشیت ایزدی نے پاکستان کو ایک اہم رول تفویض کیا تھا ـــــ جس کے آثار حالاتِ واقعی اور زمینی حقائق کی رو سے روز بروز دھندلے ہوتے جا رہے ہیں ـــــ آیا اس کے بروئے کار آنے کا ابھی کوئی امکان موجود ہے؟ ـــــ ان امور پر ان شاء اللہ آئندہ خطاب میں گفتگو ہو گی۔
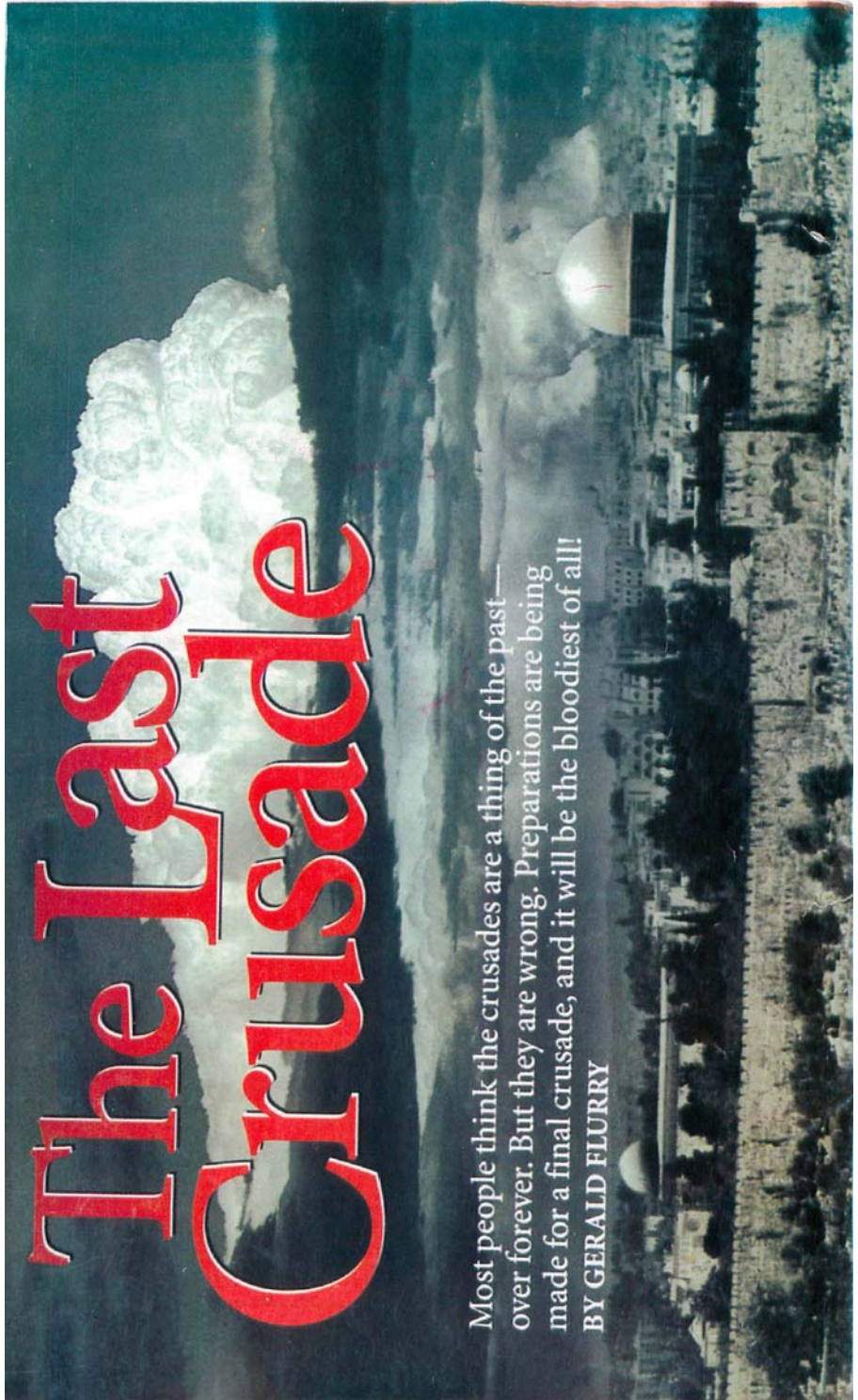
اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

کچھ کوَر کی تصویر کے بارے میں

یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکہ کے عیسائیوں کی عظیم اکثریت پروٹسٹنٹس پر مشتمل ہے اور ان میں کچھ عرصے سے سب سے زیادہ فعال اور بائبل کی نشر و اشاعت اور تشریح و توضیح کرنے والے Evengelists کہلاتے ہیں' جن کے بعض شعلہ بیان مقررین نے اپنے ریڈیو اور ٹی وی کے ذاتی چینلز کا وسیع جال پھیلایا ہوا ہے۔ ان کا ایک ماہنامہ رسالہ فلاڈلفیا سے نکلتا ہے جس کا نام ہے "The Philadelphia Trumpet"۔ جس ادارے سے یہ شائع ہوتا ہے اس کے بانی کا نام تو ہربرٹ آرم سٹرونگ تھا' لیکن اب رسالے کے مدیر مسٹر جیری فلیشر ہیں۔ کوَر کی تصور اِس رسالے کی اشاعت بابت اگست ۲۰۰۱ء سے لی گئی ہے۔ یہ یہودیوں سے بڑھ کر اسرائیل کے حمایتی اور معاون ہیں۔ اس لئے کہ ان کا ایجنڈا اور صہیونیوں کا ایجنڈا ایک ہی ہے۔ ان دونوں کے نزدیک عظیم جنگ Armageddon جلد از جلد واقع ہو جانی چاہئے' جس کے نتیجے میں عظیم تر اسرائیل قائم ہو جائے گا' پھر تیسرے معبد سلیمانی" (Third Temple) کی تعمیر ہو سکے گی' اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت لا کر رکھا جائے گا ـــــ اس سے آگے اختلاف ہے۔ یہودیوں کے نزدیک اس تخت پر اُن کا موعود منتظَر ''مسیحا'' براجمان ہو کر پوری دنیا پر حکومت کرے گا اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ ابن مریم سلام علیہما آسمان سے نازل ہو کر اس تخت پر بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کریں گے!

پراٹسٹنٹ فرقے کو رومن کیتھولک فرقے سے شدید عناد ہے۔ چنانچہ وہ پوپ کو برملا ''شیطان'' کہتے ہیں۔ ان کا الزام رومن کیتھولک عیسائیوں پر یہ ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع سماوی کے بعد دوسرے ملینیم کے آغاز میں پوپ اربن ثانی نے عظیم کروسیڈ جنگ کا میدان گرم کیا تھا جس کے نتیجے میں ۱۰۹۹ء سے ۱۱۸۷ء تک یروشلم پر عیسائیوں کا قبضہ رہا تھا' اسی طرح اب تیسرے ملینیم کے آغاز میں پوپ جان پال ثانی آخری کروسیڈ (The Last Crusade) کے لئے پورے یورپ کو اکٹھا کر کے ''ہولی رومن امپائر'' کی تجدید کرنا چاہتا ہے تا کہ پورا عالم عیسائیت فلسطین اور اسرائیل کو فتح کر کے وہاں رومن کیتھولک ریاست قائم کر دے ـــــ اس پس منظر میں نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کی تصویر سامنے آتی ہے جس کے مطابق ''رومی'' مسلمانوں پر ایک ایسے لشکر جرار کے ساتھ حملہ آور ہوں گے جس میں اسّی عَلَم ہوں گے اور ہر عَلَم کے تحت بارہ ہزار فوجی ہوں گے ـــــ!

تصویر میں شمالی جانب جو گنبد ہے وہ قبۃ الصخرہ (Dome of the Rock) ہے جو اِس چٹان پر اموی حکمران عبدالملک بن مروان نے بنوایا تھا جس سے معراج شریف میں نبی اکرم ﷺ کا آسمانی سفر شروع ہوا تھا۔ اور جنوب کی جانب کا گنبد مسجد اقصیٰ کا ہے' اور یہودی ان دونوں کو منہدم کر کے اپنا Third Temple بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس پر جو عظیم خونریزی ہوگی اس کے ہلکے سے تصور سے بھی انسان کانپ جاتا ہے۔

The Last Crusade
Most people think the crusades are a thing of the past—over forever. But they are wrong. Preparations are being made for a final crusade, and it will be the bloodiest of all!
BY GERALD FLURRY